تفہیم دین میں امثلہ کی اہمیت
(حدیث سفینہ اور حدیث جلیس کا مطالعہ)

صائمہ فاروق☆

Abstract:

"Study of Hadith conveys that it was the tract and meaningful deliverance of words by Holy Prophet SAW which directly affected the brains and developed a move for action by its absorption into the minds and hearts. He SAW used words and terminologies so beautifully according to the need of the time that listener immediately felt its effects.In the coming pages technical and literary study of Hadith is presented which includes the meanings,tract,sound beauty and its effects."

Key Words: Understanding, Religion, Hadith-e- Safina, Jalees-us-Saalih, Jalees, Terminology, Literary Study of Hadith.

حدیث سفینہ

"مثل القائم علی حدود اللہ والواقع فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فأصاب بعضھم اعلاھا و بعضھم اسفلھا، فکان الذین فی اسفلھا اذا استقوا من الماء مرو علی من فوقھم،فقالوا:لوانا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا، فان یترکوھم وما ارادو اھلکوا جمیعاً، و ان اخذوا علی ایدیھم نجوا و نجوا جمیعاً"(۱)

(اللہ کی حدوں پر کاربند رہنے والے اور ان میں مبتلا ہونے والے کی مثال (کشتی پر سوار) ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے کشتی کے حصے بذریعہ قرعہ باہم تقسیم کر لیے، بعض کے حصے میں (کشی کا) اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا۔ نیچے والے لوگ پانی کی ضرورت کے وقت اوپر والے لوگوں (کے پاس) سے گزرتے، پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے (نیچے والے) حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں۔ اب اگر (اوپر والے) ان (نیچے والوں) کو ان کے ارادوں کے موافق چھوڑ دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان (نیچے والوں) کے ہاتھ روک لیں گے تو وہ (اوپر والے) اور سب لوگ بچ جائیں گے۔)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

آپ ﷺ کی احادیث کا منفرد اسلوب اپنے اندر بے پناہ معنویت و وسعت لیے ہوئے ہے۔ زیرِ نظر حدیث میں آپ ﷺ حدود اللہ پر قائم رہنے والوں اور اسے توڑنے والوں کی مثال بیان کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ امر بالمعروف ونھی عن المنکر ایک ایسا فریضہ ہے کہ اس سے غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے اللہ کا عذاب مسلط ہو سکتا ہے۔ ایمان یا عمل صالح اختیار کر کے صرف خود نیک بن جانا کافی نہیں، بلکہ وہ بندگانِ خدا جو راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں انہیں حق کی طرف بلانا، رب کی پسند و ناپسند سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اس راستے سے بچ جائیں جس پر چل کر وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ:

"بایعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی اقامة الصلوة وایتاء الزکوة والنصح لکل مسلم"(۲)

(میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی نماز قائم کرنے پر، زکوۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔)

زیر بحث حدیث میں ((قائم علی حدود اللہ)) سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدود اللہ کی پاسداری کرتے ہیں یعنی حدود الامر کو اختیار کرتے۔ ﴿وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (۳) (یہ اللہ کی حدود ہیں جو وہ بیان کرتا ہے اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔) اور حدود الٰہی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾(۴) (یہ اللہ کی حدود ہیں پس تم ان کے قریب نہ جانا) اور "الواقع فیھا" سے مراد وہ لوگ جو امورِ دین کو ضائع کرتے، منکرات کے مرتکب ہوتے اور حدود اللہ کو توڑتے ہیں۔ ﴿وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾(۵) (اور جس نے اللہ کی حدود میں زیادتی کی، اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔)

آپ ﷺ اخیار و اشرار اور متقین و فجار پر مشتمل اس انسانی معاشرے کو انتہائی فصاحت و بلاغت سے ایک ایسی کشتی سے تشبیہ دیتے ہیں جو سمندر میں اس کی متلاطم موجوں میں چل رہی ہے۔ یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ کشتی کو 'جاریہ' اور "فلک" بھی کہتے ہیں لیکن یہاں پر آپ ﷺ کشتی کے لیے "سفینہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو سَفَن سے ہے۔ سَفَن بمعنی چھیلنا اور نرم بنانا اور سَفن بمعنی چوب تراشی کا آلہ، گویا سفینہ سے مراد ایسی کشتی ہے جو تراش خراش کر کے ہموار اور آرام دہ بنائی گئی ہو۔"(۶)

"جاریہ اور فلک" کے مفہوم میں تراش خراش کر کے آرام دہ بنانے کا مفہوم نہیں آتا اور حدیث میں انسانی معاشرے کی تشبیہ کے لیے لفظ "سفینہ" کا استعمال یہ لطیف نکتہ پیدا کرتا ہے کہ انسانی معاشرے کو بھی تراش خراش کر کے ہموار اور آرام دہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سفینہ میں موجود لوگ اوپر اور نیچے والے حصے کی تقسیم کے لیے۔ قرعہ اندازی کے لیے قرعہ اندازی کرتے ہیں "افترعوا" کی بجائے "استھموا" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ غالباً اس لیے کہ "سہم"

تیر کو کہتے ہیں اور تب قرعہ اندازی تیروں سے ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ اور احادیث میں بھی قرعہ اندازی کے لیے استھمّوا کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

"لویعلم الناس مافی النداء والصف الاول ثم لم یجدواالاان یستھمواعلیہ لاستھموا"(۷)

(اگر لوگ جان جائیں کہ اذان اور صفِ اول میں کیا (اجر وثواب) ہے تو پھر انہیں اس کے لیے قرعہ اندازی بھی کرنا پڑتی تو وہ ضرور کرتے۔)

"وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اراد سفرا اسھم بین نسائہ"(۸)

(اور آپ ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے۔)

قرعہ اندازی سے وہ لوگ جو کشتی کے اوپر والے حصے میں آتے ہیں، وہ کائنات کے فطری مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اسباب راحت سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے میٹھا اور صاف پانی۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو کشتی کے نیچے والے حصے میں موجود ہیں وہ قدرتی مناظر کے حسن و جمال سے محظوظ ہونے سے بھی محروم ہیں اور اس نعمت سے بھی جو اوپر والوں کو میسر ہے، یعنی انہیں پینے کا صاف پانی اور میٹھا پانی بھی اوپر جا کے لانا پڑتا ہے۔

یہاں ان کے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر وہ پانی کے حصول کے لیے کشتی کے نیچے والے حصے میں سوراخ کرلیں تو وہ اوپر جانے کی مشقت سے بھی بچ جائیں گے اور اپنے ہمسایوں کو بھی پریشان نہیں کریں گے۔ پھر وہ اپنے خیال کے مطابق کشتی میں سوراخ شروع کردیتے ہیں، اوپر والے اس شور کو سنتے ہیں اور تیزی سے نیچے آکر انہیں اس حرکت سے منع کرتے ہیں۔ اب اس نیچے والے حصے میں کچھ لوگ ایسے شرپسند ہیں جو یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ یہ حصہ ہمارا ہے اور ہمارا جو دل چاہے ہم کریں گے، ہم آزاد ہیں اور کیا تم ہماری شخصی آزادی میں مداخلت کرو گے؟

یہاں پر اس خوبصورت تمثیلی تشبیہ کی فصاحت و بلاغت اور معنویت و وسعت اپنے نقطۂ کمال پر پہنچتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں "وان اخذوا علی ایدیھم" کہ ایک ایسے موڑ پر جب یہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے ایسے کام پر آمادہ ہیں جو پوری کشتی کی ہلاکت وتباہی کا سبب ہے تو یہ اوپر والے حصے کے لوگ جو اس کو سمجھ رہے ہیں، اگر پوری قوت اور طاقت سے ان کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور انہیں حریت اور آزادی کا صحیح مفہوم سمجھاتے ہیں تو کشتی کے سب سوار ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں۔ گویا اپنی ہلاکت سے بھی بچنے کے لیے ان کو قوتِ بازو سے روکنا بہت ضروری ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے "منعوھم" کی بجائے "اخذوا علی ایدیھم" کے الفاظ استعمال کئے جو حرکت اور عمل کو پوری شدت سے روکنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ پوری شدت سے روکنا اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ کشتی کے اوپر والے حصے کے لوگ اسی وقت ہی فطری مناظر اور نعمتوں سے بہرہ مند ہوسکتے ہیں جب وہ نیچے والوں کو نادان حرکتوں سے روکنے میں کامیاب ہوجائیں۔ یہی حال معاشرے کا ہے جو صالح اور طالح افراد پر مشتمل ہے اور صالح

افراد جو رب کی نعمتوں کے مستحق ہیں۔

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾(۹)

(اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے پس میں نے اس کو لکھ لیا ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے احکام کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔)

لیکن وہ ان نعمتوں سے صرف اسی وقت ہی فیض یاب ہو سکتے ہیں جب وہ طالع افراد کو منکرات سے روکنے میں کامیاب ہو جائیں اور اس مشن میں حصول کامیابی کے لیے تن، من، دھن، سب کھپا دینے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں ہمیں بتایا:

"عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول: یاھذا اتق اللّٰہ و دع ما تصنع فانہ لایحل لك، ثم یلقاہ من الغد ولا یمنعہ ذالك ان یکون اکیلہ و شریبہ و قعیدہ، فلما فعلوا ذالك ضرب اللّٰہ قلوب بعضھم ببعض ثم قال ﴿لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان دائود و عیسی ابن مریم الی قولہ فاسقون﴾(۱۰) ثم قال: کلا واللّٰہ لتامرن بالمعروف و لتنھون عن المنکر ولتأخذن علی یدی الظالم ولتأطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا۔"(۱۱)

(عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی اسرائیل میں جو سب سے پہلے خرابی آئی وہ یہ تھی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے ملتا اور کہتا اے فلاں شخص! اس معاملے میں اللہ سے ڈر اور اسے چھوڑ دے جو تو کر رہا ہے کہ یہ تیرے لیے حلال نہیں ہے پھر وہ اگلے دن اس سے ملتا اور اسے اس سے نہ روکتا بلکہ وہ اس کے ساتھ کھاتا پیتا اور بیٹھتا۔ پس جب وہ ایسا کرنے لگے تو اللہ نے ان کے دلوں میں پھوٹ ڈال دی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت "فاسقون" تک پڑھی کہ لعنت کی گئی ہے ان پر جنہوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا۔ داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابنِ مریم کی زبان سے اور پھر آپ ﷺ نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور تم انہیں ضرور حق کی طرف لے آتا اور انہیں حق پر ضرور پابند کر دینا۔)

زیر بحث حدیث میں منکرات سے روکنا اور حق بات کہنا۔ انسانی معاشرے کی بھرپور زندگی کی علامت قرار دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ جب صحابہؓ سے بیعت لیتے تو اس بات پر بھی بیعت لیتے۔

"عن عبادۃ بن صامتؓ قال: بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر، والمنشط والمکرہ و علی اثرۃ علینا و علی ان لا ننازع الامر اھلہ و علی ان نقول بالحق این ما کنا۔ لا نخاف فی اللّٰہ لومۃ لائم"(۱۲)

(حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے تنگی اور خوشحالی میں، خوشی اور ناخوشی کے اوقات/ احکام میں سمع وطاعۃ پر اور اس بات پر کہ ہم اپنے آپ پر انہیں ترجیح دیں گے اور...... جھگڑا نہیں کریں گے اور اس بات پر بھی کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق بات کہیں گے، اللہ تعالیٰ کے معاملے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے۔)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قوله"وعلى ان نقول بالحق اينما كنا لا نخاف فى الله لومة لائم" معناه نامر بالمعروف و ننهى عن المنكر فى كل زمان و مكان، الكبار والصغار، لا نداهن فيه احداولانخافه هوولانلتفت الى الائمة ففيه القيام بالمعروف والنهى عن المنكر"(۱۳)

(آپ ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ "اور یہ کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر وقت اور ہر جگہ میں ہر چھوٹے اور بڑے کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ہم کسی کی چاپلوسی نہیں کریں گے اور کسی سے ڈریں گے نہیں۔)

گویا امتِ مسلمہ کا نصب العین خود بندگی رب کے ساتھ ساتھ بندگانِ خدا کی خیرخواہی، انھیں گمراہی سے بچانے کی تڑپ اور حق بات کے غلبے کے لیے ہر طرح کی جدوجہد ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس راہ میں لوگوں کی بات کو سن کر انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے اور اس فریضے سے کوتاہی پر آپ ﷺ نے اپنی حدیث میں "خلوف" کا لفظ استعمال کیا، جس کے معنی "ناخلف" کے ہیں۔

"عن عبدالله بن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مامن نبى بعثه الله فى امة الاكان له من امته حواريون واصحاب ياخذون بسنة و يقتدون بامره ثم انهالخلف من بعدهم خلوف، يقولون مالا يفعلون، و يفعلون ما يومرون"(۱۴)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی نبی مجھ سے پہلے کسی امت میں جسے اللہ نے مبعوث کیا، اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے، جو اس کے طریقے اور روش کو اختیار کرتے تھے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے، پھر اس کے بعد ناخلف پیدا ہوئے جو عمل نہیں کرتے تھے، ہاں ڈینگیں مارتے تھے اور وہ عمل کرتے تھے، جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا تھا۔)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے "ناخلفی" کے لیے "خلوف" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "خلوف" "خلف" کی جمع ہے اور "خلف" اور "خلف" میں "ل" کے متحرک اور ساکن ہونے کی وجہ سے جو فرق ہے، وہ ایک لطیف نکتہ پیدا کرتا ہے کہ خَلَفَ اچھے اور نیک قائم مقام یا وارث کو کہتے ہیں اور "خلف" نااہل ورثاء کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ وراثت علمی بھی ہوسکتی ہے اور فنی مہارت بھی ہوسکتی ہے، خاندانی وجاہت بھی اور

قبائلی نیک نامی بھی وراثت میں شامل ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾(۱۵)

(وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسا کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو دی۔)

اور خلف پیچھے اور بعد میں آنے والے نالائق کو کہتے ہیں:

"سیکون بعد ستین سنة خلف اضاعوا الصلوة"(۱۶)

(ساٹھ برس کے بعد ایسے نالائق لوگ پیدا ہوں گے، جو نماز کو تباہ کریں گے۔)

''خَلَف اور خلف ہر پیچھے آنے والے کو کہتے ہیں مگر بتحریک لام کا استعمال اچھے شخص کے لیے کیا جاتا ہے اور بتسکین لام نالائق اور برے شخص کے لیے ہے۔(۱۷) آپ ﷺ اسی حدیث میں آگے چل کر کہتے ہیں:

"فمن جاهدهم بيده فهو مومن، و من جاهدهم بلسانه فهو مومن، ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن و ليس وراء ذالك من الايمان حبة خردل"(۱۸)

(جس شخص نے اُن سے اپنے ہاتھ سے جہاد کیا تو وہ مومن ہے تو جس نے ان سے جہاد کیا اپنی زبان سے تو وہ مومن ہے اور جس نے ان سے جہاد کیا اپنے دل سے تو وہ مومن ہے، اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔)

گویا منکرات سے روکنا اور معروف کو فروغ دینا ایک ایسا فریضہ ہے کہ جو دنیا و آخرت کے اجر و انعام کا مستحق بناتا ہے اور جو شخص قدرت، صلاحیت اور موقع فراہم ہونے کے باوجود اس فریضہ سے غفلت برتتا ہے وہ اللہ کے یہاں پکڑا جائے گا۔ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یقیناً اس فریضہ کا تعلق انسان پر اس کے نفس کے حق سے بھی ہے کہ اسے ہمہ پہلو انعام و اکرام اور اجر و ثواب کا مستحق بنائے اور آخرت کے عذاب شدید سے بچانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ کی احادیث سے بھی ہمیں اس پہلو سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

"عن ابی بکر صدیق رضی اللّٰہ تعالٰی عنه۔ انه قال یایها الناس انکم تقرء ون هذه الایة ﴿یایها الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اهتدیتم﴾ (المائدۃ،۱۰۵) و انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول "ان الناس اذا راو ظالما فلم یاخذوا علی یدیه او شك ان یعمهم اللّٰہ بعقاب"(۱۹)

(اے لوگو ایمان والو! تم پر تمہاری جانوں کی ذمہ داری ہے، کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، جب تم خود ہدایت پالو اور میں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں

اور اسے ہاتھ سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر عذاب بھیج دے۔)

گویا ایمان کی علامت اور اللہ رب العالمین کی نعمتوں سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہونے کے لیے ہر قسم کی برائی کو قوتِ بازو سے روکنا ضروری ہے اور یہی بات ہمیں آپ ﷺ کے اسوۂ مبارک میں نظر آتی ہے۔

"عن عبداللّٰہ بن عباسؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأی خاتما من ذھب فی یدرجل۔ فنزعه فطرحه و قال: یعمد احدکم الی جمرۃ من نار فیجعلھا فی یدہ "فقیل للرجل بعدما ذھب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خذ خاتمك انتفع به۔ قال: واللّٰہ لا آخذہ ابدا، و قد طرحه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم"(۲۰)

(عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، پس آپ ﷺ نے اسے انگلی سے نکالا اور پھینک دیا اور کہا: تم میں سے کوئی ایک آگ کے انگارہ کا قصد کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ جب نبی ﷺ چلے گئے تو اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے استفادہ کرو تو اس نے کہا اللہ کی قسم میں اسے کبھی بھی نہیں لوں گا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے پھینکا ہے۔)

اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب بندگانِ خدا کو حقیقی خیر خواہی کے جذبے اور جہنم کی آگ سے بچانے کی تڑپ کے ساتھ راہِ حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو مطلوبہ نتائج ضرور حاصل ہوتے ہیں۔

حدیث الجلیس الصالح والجلیس السوء

"مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسك و نافخ الکیر، فحامل المسك الا ان یحذیك واما ان تبتاع منه و اما ان تجد منه ریحاطیبة ونافخ الکیر ا ما ان یحرق ثیابك و اما ان تجدریحا خبیثة"(۲۱)

(نیک اور بُرے دوست کی مثال مشک اٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی مانند ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں (تحفہ کے طور پر) دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس سے اچھی خوشبو تو پا ہی لو گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبودار دھواں حاصل کرو گے۔)

اس حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے الفاظ کے خوبصورت استعمال کے ذریعے نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور شریر اور فاسق کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ دوست کے لیے لفظ "جلیس" کا استعمال کرتے ہیں۔ لفظ "جلیس" کا اتنا برمحل استعمال آپ ﷺ کی جزالت بیان اور فصاحت و بلاغت کا عمدہ شاہکار ہے۔

دوست کے لیے عربی زبان میں اور بھی بہت سے الفاظ ہیں، جن کا استعمال خود اللہ رب العالمین

نے بھی کیا اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی بہت ساری احادیث میں دوست کے لیے دیگر الفاظ کا استعمال کیا۔ یہاں پر آپ ﷺ لفظ جلیس کا استعمال کرتے ہیں کہ جو معنی اس لفظ میں پائے جاتے ہیں وہ اس کے مترادفات میں نہیں۔ رفیق، ولی، صَدیق، صِدِیق، خلیل اور ولیجة کے الفاظ عربی زبان میں دوست کے لیے ہی آتے ہیں۔ رفیق: ﴿وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيْقا﴾[۲۲] (اور ان سب کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔) ولی: ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوا﴾[۲۳] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔) صَدیق: ﴿ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او صدیقکم﴾[۲۴] (تم پر کچھ گناہ نہیں ہے تم اپنے گھروں سے کچھ کھا لو یا اپنے دوست کے گھر سے۔) صدیق: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾[۲۵] (یوسف اے بڑے سچے دوست۔) خلیل: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلا﴾[۲۶] (اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔) ولیجة: ﴿ولما یعلم اللّٰہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللّٰہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجة﴾[۲۷] (اور ابھی تو خدا نے ایسے لوگوں کو ممیّز کیا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے جہاد کئے اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔) دوست کے لیے عربی زبان میں مستعمل یہ الفاظ ہمدرد اور نرم دل دوست کے معنی دیتے ہیں۔ ان میں مددگار اور گہرے دوست کے معنی بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان سب لفظوں میں وہ معنی نہیں پائے جاتے جو لفظ ''جلیس'' میں ہیں کہ ساتھ بیٹھنے والا۔

صاحب معجم الوسیط لکھتے ہیں:

''جالَسَ: جلس معه و تجالسوا: جلس بعضهم مع بعض''[۲۸]

(جالس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھا اور تجالسوا کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے۔)

گو اس لفظ میں گہری اور سچی دوستی کا مفہوم نہیں پایا جاتا، لیکن مسلسل ساتھ بیٹھنے کا مفہوم صرف اسی لفظ میں ہے اور اس مفہوم سے ہی حدیث میں اس لفظ کے استعمال سے اس کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ''جلیس'' کی صحبت کے اثرات کی بات کر رہے ہیں کہ ہم نشینی میں بہت گہری دوستی نہ بھی ہو تو ہم نشینی کے اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ صالح ہم نشینی کے انتخاب کو پسند کرتے ہوئے اسے مشک والے سے تشبیہ دیتے ہیں جو ایک سچی اور پیاری صحبت کی عمدہ تصویر کشی ہے کہ حامل المسک گردونواح کو عطر کی خوشبو سے بھر دیتا ہے، اسی طرح اچھا ساتھی اپنے ہم نشین کو بھرپور تازگی عطا کرتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ و تراکیب پر غور و فکر ایک بہت ہی لطیف نکتہ پیدا کرتا ہے کہ آپ ﷺ خوشبو کے لیے ''مسک'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کے معنی تھامنے اور چمٹ جانے کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں:

''امساك الشيء التعلق به و حفظه والمسك الذبل المشدود على المعصم،

والمسك الجلد الممسك للبدن"(۲۹)

(امساک الشیء کے معنی کسی چیز سے چمٹ جانا اور اس کی حفاظت کرنا کے ہیں اور المسک ہاتھی کے دانت کا بنا ہوا زیور جو عورتیں کلائی میں پہنتی ہیں اور المسک کھال جو بدن کے ڈھانچے کو تھامے رہتی ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ﴾(۳۰)

(وہ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے۔)

گویا خوشبو جو خود بھی یہ صفت رکھتی ہے کہ اپنے گردونواح کو معطر کردے، لفظ مسک اس کی بلاغت میں کس قدر خوبصورت زور پیدا کررہا ہے کہ ایک اچھی صحبت فضا کو بھی خوشگوار بناتی ہے اور برائیوں سے بچاؤ میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔ اس کی باتیں خوشگوار اور اس کی خاموشی نعمت ہوتی ہے۔ خوشحالی میں تیاری اور تنگدستی و سختی میں آسانیوں کی پیامبر ہوتی ہے۔ نفس کے لیے راحت اور دل کی مرہم ہوتی ہے۔

"صحبة الصالحين بلسم قلبى انها للنفوس اعظم راقى"(۳۱)

(صالح صحبت دل کا مرہم اور نفس کا بہترین طبیب ہے۔)

پھر حدیث میں لفظ "مسک" کے ساتھ لفظ "تبتاع" کی بلاغت مضمون کو اور دلکش بنا دیتی ہے کہ آپ ﷺ نے مشک کو خریدنے کے لیے "تشتری" کی بجائے "تبتاع" کا لفظ استعمال کیا جو باب افتعال سے ہے اور خریداری کی طلب کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ صحبتِ صالح کی طلب فطری طور پر شدید ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسی مفہوم کی ایک حدیث روایت کی ہے اور اس پر درج ذیل عنوان قائم کیا ہے۔

"ذكر تمثيل المصطفٰى صلى الله عليه وسلم الجليس الصالح بالعطار الذى من جالسه علق به ريحه و ان لم ينل منه"(۳۲)

(آپ ﷺ کا اچھے ساتھی کی عطار کے ساتھ مثال بیان فرمانا کہ اس کو ہم نشین کو اس کی خوشبو پہنچ جائے گی، اگرچہ وہ خود اس کو حاصل نہ بھی کر پائے۔)

پھر آپ ﷺ بُری صحبت کو لوہار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بُری صحبت کی اس سے زیادہ بلیغ کوئی مثال نہیں ہوسکتی کہ اس کا ساتھ دائمی خسارہ ہے کہ جب وہ بھٹی کو پھونکتا ہے تو کپڑے نہ بھی جلائے تو اس کا دھواں ضرور نقصان پہنچاتا ہے۔ بُری صحبت بہت سی اچھائیوں کو ختم کر کے برائیوں کو نشو و نما دیتی ہے اور اگر برائی کی نشو و نما نہ بھی ہو تو بدی کا اثر ضرور پڑتا ہے گویا بُری صحبت دائمی غم اور لازمی حزن ہے۔ کسی شاعر سے پوچھا گیا:

مالى ارى الشمع يزوى فى معادنه　　من صحبة النار ام من فرقة العسل(۳۳)

(میں شمع کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے معدن میں پگھل رہی ہے، آگ کی صحبت سے یا پھر شہد کی جدائی میں۔)

اس نے جواب دیا:

من لم تجانسه فاحذر ان تجالسه ما ضر بالشمع الاصحبة الفتل(۳۴)

(جس سے مجانست نہ ہو اس کی صحبت سے پرہیز کرو کہ شمع کو نقصان صرف بل دار دھاگے کی صحبت سے ہے۔)

یہی وہ نکتہ ہے جو آپ ﷺ نے بیان کیا کہ جس صحبت میں بھی بیٹھو گے اس سے خیر یا شر ضرور حاصل کرو گے۔ پاکیزہ اور اچھی صحبت انسان کو نیک بننے کا موقع فراہم کرتی، نیک بننے پر آمادہ کرتی اور معاون و مددگار رہوتی ہے جبکہ بُری صحبت انسان کو بگاڑ کی طرف لے کر جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ح:۲۴۹۳، دارالسلام، الریاض، ط: الثانیۃ، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹م۔

۲۔ صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب: البیعۃ علی اقام الصلاۃ، ح:۵۲۴

۳۔ البقرہ(۲)۲۲۰

۴۔ البقرہ(۲)۱۸۷

۵۔ الطلاق(۶۵)۱

۶۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مترادفات القرآن مع فروق اللغویہ، ص:۱۰۷، مکتبۃ السلام، لاہور، ط: الاولی، س ن

۷۔ صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب القرعۃ فی المشکلات، ح:۲۶۸۹

۸۔ ایضاً، ح:۲۶۸۸

۹۔ الاعراف(۷)۱۵۶

۱۰۔ المائدہ(۵)۷۸

۱۱۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السجستانی، سنن ابی داؤد، باب الامر والنھی، کتاب الملاحم، ح:۴۳۳۶، دارالسلام، الریاض، ط: الاولی، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹م۔

۱۲۔ نووی: یحیی بن شرف محی الدین، امام، ابوزکریا، شرح صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، ح:۱۷۰۹، بیت الافکار الدولیۃ، ط: الخامسۃ، ۲۰۰۳م۔

۱۳۔ ایضاً، ح:۱۱۹۲

۱۴۔ مسلم، مسلم بن الحجاج، ابوالحسین، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ح:۱۷۹، دارالسلام، الریاض، ط: الثانیۃ، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰م۔

۱۵۔ النور(۲۴)۵۵

۱۶۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ح:۱۷۹

۱۷۔ وحیدالزمان، علامہ، لغات الحدیث، ۲/۶۳۳، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ط:ن، ۲۰۰۵م۔

۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ح:۱۷۹

۱۹۔ سنن ابی ابوداؤد، کتاب الملاحم باب الامر والنھی، ح:۴۳۳۸

۲۰۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب لبس النبی ﷺ خاتما من ورق نقشہ محمد رسول اللہ، ولبس الخلفاء لہ من بعدہ، ح:۲۰۹۰

۲۱۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصید، باب المسک، ح:۵۵۳۴

۲۲۔ النساء (۴) ۶۹

۲۳۔ البقرہ (۲) ۲۵۷

۲۴۔ البینہ (۹۸) ۲۳۶

۲۵۔ الیوسف (۱۲) ۶۴

۲۶۔ النساء (۴) ۱۲۵

۲۷۔ التوبۃ (۸) ۱۶

۲۸۔ ابراہیم مصطفیٰ / احمد حسن زیات / حامد عبدالقادر / محمد علی النجار، المعجم الوسیط، ۱/ ۱۳۰، مجمع اللغۃ العربیۃ، القاھرہ، ط: الثانیۃ، ۱۳۹۲ھ، ۱۹۷۲م۔

۲۹۔ راغب، الحسین بن محمد ابن الفضل، ابو القاسم، اصفہانی، المفردات فی غریب القران، ۴۸۹، دار احیاء التراث العربی، ط: الاولی، س: ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲م۔

۳۰۔ الحج (۲۲) ۶۵

۳۱۔ صابونی، محمد علی، من کنوز السنۃ دراسات ادبیۃ ولغویۃ من الحدیث الشریف، ص: ۲۶، مکتبۃ الغزالی، دمشق، ط: ن، س: ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱م۔

۳۲۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حسین بن احمد، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، کتاب السیر والاحسان، باب الصحیۃ والخانسۃ، ۲/ ۳۴۱، بیت الافکار الدولیۃ، لبنان، ط: ن، س: ن۔

۳۳۔ من کنوز السنۃ دراسات ادبیۃ ولغویۃ من الحدیث الشریف، ص: ۲۷

۳۴۔ ایضاً